© rasailojaraid.com

دہلی کے مقتول مشائخ

(دورِ سلطنت)

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد دہلی کو ہر لحاظ سے مرکزیت حاصل رہی ہے۔ یہ ہندوستان کا پایۂ تخت رہی، اس لیے حضرتِ دہلی کہلاتی۔ یہاں علماء، فضلاء و مشائخ کبار کا اجتماع رہا اس بنا پر اسے قبۃ الاسلام کے نام سے پکارا گیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بقول دہلی کبھی اولیاء اللہ کے مبارک و مقدس وجود سے خالی نہیں رہی۔ شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ خود محمد شاہ کے زمانے (۱۱۳۱/۱۷۱۹ تا ۱۱۶۱/۱۷۴۸) میں دہلی میں بائیس صاحبِ ارشاد بزرگ موجود تھے[1] یاد رہے کہ یہ دور ہر لحاظ سے زوال و ابتری کا دور تھا۔

منگولوں کے وحشیانہ حملوں اور قتل و غارت گری نے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصے میں زندگی دوبھر کر دی تھی۔ حتیٰ کہ اطمینان و سکون کا ایک سانس لینا بھی وہاں دشوار ہو گیا تھا۔ اس لیے مملوک سلاطین کے عہدِ سلطنت اور خاص طور پر سلطان شمس الدین ایلتتمش کے زمانے (۶۰۷/۱۲۱۱ تا ۶۳۳/۱۲۳۶) میں دہلی کو علماء و فضلاء و مشائخِ کرام نے اپنی رہائش و سکونت کے لیے مناسب ترین مقام سمجھا۔ اسی وجہ سے مختلف ممالک سے ان کی بہت بڑی تعداد بقول عصامی اس طرح دہلی میں جمع ہو گئی جیسے شمع کے گرد پروانے:

دراں شہرِ فرخندہ جمع آمدند چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند[2]

---

[1] ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز دہلوی (اردو ترجمہ) دہلی کو غالباً شاہ صاحب کے اسی ارشاد کی بنیاد پر بائیس، خواجاؤں کی چوکھٹ کہا جانے لگا

[2] فتوح السلاطین، ص ۱۰۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا بقول خسرو دہلوی ، دہلی کے ہر گلی کوچے میں علماء وصلحاء کو بڑی تعداد میں دیکھا جاسکتا تھا:

برسر ہر کوز بزرگان صفی در رف ہر خانہ نہان ازقی

لیکن کچھ ہی عرصہ گذرا کہ حالات نے کروٹ لی۔ بادشاہوں اور ان کی درباری مصلحتوں نے، مشائخ کبار کے خلاف درباری علماء نے، علماء کے خلاف خود علماء اور صوفیائے خام نے اور شریعت کے سلسلے میں موشگافیوں نے دہلی کو ان سب حضرات کے لیے امتحان و آزمائش کا مقام بنا دیا۔ اس امتحان و آزمائش سے اکثر مشائخ وعلمائے دین کو چار و ناچار گذرنا پڑا۔ کچھ حضرات اِس وادیٔ پُرخطر سے زندہ وسلامت عبور کر گئے اور چند ایسے بھی تھے جنھیں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔

"افسوس! عشاقِ حق کے ساتھ ہمیشہ یہی ہوا اور اعدائے حق و اصلاح کے ہاتھوں کبھی ان کو امن کی گھڑیاں نصیب نہ ہوئیں۔ یہی ہوتا رہا ہے اور شاید ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ دشمنانِ حق نے اگر ان کی جانوں کو سب سے بڑی چیز سمجھ کر لینا چاہا تو انھوں نے بھی اپنی جان کو دنیا کی ساری چیزوں میں سب سے زیادہ ہیچ و ادنیٰ سمجھا۔[۵]" اور اسے بلا تامل راہِ حق وجستجوئے صداقت میں پیش کیا۔

اس وقت ایسے ہی چند صوفیا اور مشائخ کا ذکر کیا جائے گا جو دوسروں کی مصلحت کوشی اور خود غرضی کا شکار ہو گئے اور یا جنھوں نے اپنے اعمال وافکار کی اپنی جان سے قیمت ادا کی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ دستیاب مآخذ اِن حضرات کی زندگی اور افکار وعقاید پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ستم بالائے ستم یہ کہ جو کچھ اطلاعات یہ مآخذ ہم پہنچاتے ہیں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض اوقات یہ اطلاعات متضاد بھی نظر

---

۵ تذکرہ، مولانا آزاد، ص ۸۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتی ہیں۔

جملۂ معترضہ کے طور پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان میں سے بیشتر حضرات مشائخ کو شہید کہا جا سکتا ہے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ میں مارا جانے والا ہی شہید کہلاتا ہے، لیکن بہرحال یہ بھی صحیح ہے کہ شہید کے مفہوم و تصور میں ایک اہم وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ اس وسعتِ معنی کا ثبوت احادیثِ نبویؐ سے بھی جزوی طور پر مل جاتا ہے۔ شہید سے یہ مراد بھی لی جانے لگی ہے کہ ہر وہ مسلمان جو خارجی تشدّد کے باعث غیر طبعی موت کا شکار ہوا ہو اور جس پر دیکھنے اور سننے والے کو رحم آئے۔ عامۃ المسلمین کے نزدیک شہید تصور کیا جانے لگا۔ اس معنی میں جن مشائخِ کرام کا ذکر اس وقت مقصود ہے، وہ شہید کہلائے جا سکتے ہیں[1]

قبلاً عرض کیا گیا کہ بعض علمائے دربار حبِ جاہ میں گرفتار ہو کر ایسے مشائخ و علماء کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے جو ان کی کوتاہیوں اور خود غرضانہ طرزِ زندگی پر تنقید کرتے رہتے تھے یا عوام الناس اور حکمران طبقے کو ان کی عاقبت اندیشی سے پیدا ہونے والی نازیبا اور غیر شرعی صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی علماء کو سلطان رضیہ کے دور (۶۳۴/۱۲۳۶ تا ۶۳۸/۱۲۴۱) میں مولانا نور ترک نے ناصبی اور مرجی کہا[2]۔ بعد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی: ۱۰۵۲/۱۶۴۲) نے ایسے ہی علماء کو

---

[1] دائرۃ المعارفِ اسلامی، مطبوعہ پاکستان، تحتِ "شہید"۔ دائرۃ المعارف اسلامی میں مفصل بحث کی گئی ہے اور "شہید" کے گوناگوں مفاہیم کو بیان کیا گیا ہے۔

[2] رافضی کو ناصبی کہتے ہیں اور مرجی وہ گروہ ہے جو رجا کا قائل ہے۔ مرجی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرجی خالص اور دوسرے مرجی غیر خالص۔ مرجی خالص وہ لوگ ہیں جو صرف خدا تعالیٰ کی رحمت کی بات کرتے ہیں۔ اور مرجی غیر خالص وہ ہیں جو خداوند عالم کی رحمت و عذاب دونوں کی بات کرتے ہیں اور شیعہ مذہب یہی ہے۔ فوائد الفواد اُردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، لاہور، ۱۹۸۰ء ص ۳۷۴ یہاں اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ فوائد الفواد کے مطابق　(باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فقیہانِ نا خدا ترس وحیلہ اندوز"[۱] کا نام دیا۔ اس قسم کے علماء میں قاضی منہاج سراج[۲]، شیخ الاسلام نجم الدین صغری وغیرہ شامل تھے۔

درباری علماء نے علمائے حق کے خلاف کس قسم کا معاندانہ رویّہ اپنایا اور انھیں بدنام کرنے کی کیسی مذموم کوششیں کیں، اس کا علم درج ذیل واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

قاضی منہاج سراج مولانا نور ترک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سلطان رضیہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ان کی خدمت میں روپے پیسے بھی نذر کرتی تھی۔ ملکۂ ہندوستان کا یہ نذرانہ ایک بار کپڑے میں باندھ کر مولانا کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ مولانا نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہاتھ کی چھڑی اس پر حقارت سے ماری اور کہا: اسے میرے سامنے سے لے جاؤ۔[۳]

مولانا نور ترک کے بارے میں سلطان رضیہ کی اس عقیدت مندی کا اظہار کرنے کے بعد قاضی منہاج السراج نے آپ کے متعلق ایک خوفناک و دہشتناک واقعہ بیان کیا ہے جو علماء کے آپسی اختلافات اور رقابت کا آئینہ دار ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) علماء مولانا نور ترک کو ناصبی اور مرجی کہتے تھے۔ اس کے برخلاف طبقاتِ ناصری (ص: ۴۱۶) پر تحریر ہے کہ مولانا نور ترک علماء کو ناصبی و مرجی پکارتے تھے۔ منہاجِ سراج نے مولانا نور ترک اور ان کے پیروکاروں کو قرامطہ اور ملاحدہ کا نام دیا ہے۔

[۱] تاریخ حقی (بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص: ۳۴۹)

[۲] قاضی منہاج سراج ہرات کے نواحی علاقے جوزجان میں ۱۱۹۳/۸۹ میں پیدا ہوئے ہندوستان میں سب سے پہلے حاکم ملتان قباچہ سے متعلق رہے اس کے بعد ایلتتمش سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے لڑکے سلطان ناصر الدین محمود نے انھیں دہلی اور تمام سلطنت کا قاضی مقرر کیا۔ اسی عہد میں انھوں نے طبقاتِ ناصری لکھی۔ عہد بلبن میں ان کا انتقال ہوا۔

[۳] طبقاتِ ناصری: ۱۹۸ — ۲۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ واقعہ بیان کرنے سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ منہاج سراج سلطان رضیہ کے معاصر ہیں۔ وہ مولانا نور ترک کے بارے میں جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ خود ان کا چشم دید بیان ہونا چاہیے۔ اسی طرح منہاج سراج کوئی معمولی انسان نہیں محض درباری مورخ بھی نہیں۔ وہ ایک عالمِ دین ہیں۔ قاضی ہیں۔ بادشاہ سے خائف یا درباری شان و شوکت سے مرعوب بھی نہیں[۱] یہ واعظ بھی تھے۔ آپ کا وعظ بہت پُر تاثیر ہوتا تھا جس میں معاصر علماء و فضلاء و مشائخ احترام کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء (متوفی: ۷۲۵/۱۳۲۵) ہر دو شنبے کو ان کا وعظ سننے جامع مسجد جایا کرتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نے آپ کے وعظ اور اس کی زبردست تاثیر کے بارے میں فرمایا کہ:

چہ راحت بود در تذکیر او۔ (ان کے وعظ میں کس قدر راحت و سکون کا احساس ہوتا تھا۔)

منہاج سراج نے دورانِ وعظ ایک بار یہ رباعی پڑھی:

لب بر لبِ لعلِ دلبراں خوش کردن   و آہنگِ سرِ زلفِ مشوش کردن
امروز خوش است، لیک فردا خوش نیست   خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

(دلبروں کے لب لعل سے اپنے ہونٹوں کو لطف اندوز ہونے کا موقع دینا، ان کی پریشان زلفوں سے کھیلنے کا ارادہ کرنا، یہ سب آج اچھا معلوم ہوتا ہے، لیکن آنے والا کل اس کے برخلاف ہوگا، چونکہ ایسا کرنے سے ہم خود کو آگ میں جلنے کے لیے خس و خاشاک بنا رہے ہیں۔)

---

[۱] سرور الصدور (قلمی) میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ سلطان بلبن کہا کرتا تھا کہ وہ (قاضی منہاج سراج) نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ مجھ سے (بحوالہ حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص: ۱۶۱) سرور الصدور شیخ حمید الدین ناگوری سوالی کے ملفوظات ہیں جنھیں ان کے پوتے شیخ فرید الدین نے جمع کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ رباعی سن کر مجھ پر کیفیت و وجد طاری ہو گیا۔[1]
وعظ کہنے کے لیے خود منہاج سراج بعض شرائط کی پابندی کرتے تھے۔ وعظ کہنے سے پہلے وہ جن امور کو ملحوظ رکھتے تھے، اس کے بارے میں صاحبِ سرور الصدور کا بیان ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ:

من باایں ہمہ کہ ورتذکیر چنیں سر آمدہ و عالم، اماتا سہ چیز بر خویش راست نہ کنم، ہرگز پای بر منبر نہ نہم یکی نعت، دوم تسمیہ، سوم تبکیہ۔[2]

(اس کے باوجود کہ میں ایک عالم ہوں اور وعظ کہنے میں میری شہرت ہے، لیکن جب تک تین چیزوں کو خود پر لازم نہیں کر لیتا، منبر پر ہرگز نہیں جاتا۔ پہلی بات نعتِ رسول، دوسری خدا کا ذکر و حمد اور تیسری بات ہے خود پر یا اپنے نفس پر غالب آجانا)

ایسا شخص مولانا نور ترک کے بارے میں لکھ رہا ہے کہ:

عہد سلطان رضیہ کے اوائل میں ایک زبردست حادثہ رونما ہوا۔ ہندوستان کے قرامطہ و ملاحدہ نے ایک دانش مند نما شخص کی سرکردگی میں بغاوت کی ٹھانی۔ اس شخص کا نام نور ترک تھا۔ تمام ہندوستان مثلاً گجرات، سندھ، دہلی کے نواحی علاقوں اور گنگا و جمنا کے ساحل سے لوگ دہلی میں جمع ہوئے۔ اِن سب لوگوں نے نور ترک سے خاموشی کے ساتھ بغاوت کی

---

[1] فوائد الفواد: ۲۵۳، خواجہ نظام الدین اولیا نے آپ کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ: آپ صاحب ذوق بزرگ تھے۔ ایک دفعہ انھیں شیخ بدرالدین غزنوی کے گھر بلوایا۔ وہ پیر کا دن تھا۔ انھوں نے وعظ ختم کرنے کے بعد آنے کا وعدہ کیا۔ حسب وعدہ وہ آگئے اور مجلسِ سماع میں شرکت کی۔ اپنی دستار اور رداء کو تار تار کر دیا۔ اس وقت قوال شیخ بدرالدین کی جو غزل پڑھ رہے تھے اس کا ایک شعر یہ ہے:

نوحہ کرد بر من نوحہ گر در مجمعی   آہ ازیں سوزم برآمد نوحہ گر آتش گرفت

[2] فوائد الفواد: ۲۹۳۔ [3] سرور الصدور (قلمی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیعت کی۔ یہ نور ترک وعظ کہتے تھے اور اوباش طبیعت لوگ اِن کو گھیرے رہتے تھے۔ یہ اہلِ سنت کو ناصبی اور مرجی کہتے۔ اس کے علاوہ نور ترک عوام کو حنفی اور شافعی علماء کی دشمنی پر اکساتے تھے۔ اِن لوگوں نے بغاوت کے لیے ایک دن مقرر کر لیا اور جمعہ، رجب کی چھٹی تاریخ سنہ ۶۳۴ھ/ ۶ مارچ ۱۲۳۷ء کے مقررہ دن ایک ہزار لوگ تیر، سپر، تلوار اور دوسرے اسلحہ سے لیس ہو کر ایک فوج کی شکل میں جامع مسجد دہلی پر پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ مارے گئے۔ کچھ ان باغیوں کی تلواروں سے اور کچھ بھگدڑ میں لوگوں کے پیروں تلے کچلے جانے سے جاں بحق ہوئے۔ اس ناگہانی حملے کی وجہ سے جب شور و فغاں بلند ہوئی تو شاہی فوج کے کچھ جیالے جن میں نصیر الدین ایتمر بلارامی اور امیر ناصری شاعر کے علاوہ چند دوسرے مسلح لوگ شامل تھے، مسجد کے منار کی جانب سے ان بلوائیوں کا حملہ روکنے نکلے۔ دوسری طرف جامع مسجد کی چھت پر جو لوگ موجود تھے، انھوں نے ان حملہ آوروں پر پتھر اور اینٹیں برسائیں اور قرامطہ و ملاحدہ کے حملہ آور گروہ کو دوزخ رسید کیا۔[۵۲]

منہاج سراج کے بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مولانا نور ترک پر اس واقعہ کے دوران یا اس کے بعد کیا بیتی۔ بہرحال اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک سیاسی ہنگامہ تھا۔ نور ترک نے بغاوت کی، حکومتِ وقت کو شکست دے کر بادشاہ بننے کا خواب دیکھا یا حاکمِ وقت کو بدلنے کا عزم کیا۔

منہاج سراج کے بعد تغلق دور میں عصامی نے اپنی "فتوح السلاطین" میں اسی واقعہ کو نظم کیا ہے۔[۵۳] عصامی کی بیشتر تفصیلات منہاج سراج کے بیانات کے مطابق ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ

---

۵۱ ابن بطوطہ کے بقول دولت خانہ یعنی بادشاہی محل مسجد جامع کے متصل تھا۔ عجائب الاسفار ج ۲: ۵۴۔

۵۲ طبقاتِ ناصری: ۴۶۱۔

۵۳ فتوح السلاطین: ۱۲۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عصامی نے اس واقعہ کے ضمن میں مولانا نور ترک کا نام نہیں لیا اور اسی طرح اس واقعہ کو سلطان رضیہ کے ابتدائی دور کے بجائے التمش کے زمانۂ حکومت کا واقعہ بتایا ہے. یہ غالباً عصامی کا اشتباہ ہے۔

منہاج سراج کی طبقاتِ ناصری اور عصامی کی فتوح السلاطین کے درمیانی زمانے میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے معتبر ترین ملفوظات فوائد الفواد کو حسن سجزی دہلوی نے مرتب کیا ہے. حضرت خواجہ صاحب نے مولانا نور ترک کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی بنیاد پر مولانا نور ترک کی شخصیت و منصب کا مکمل طور پر ایک مختلف تاثر پیدا ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کے بیانات سے اس حقیقت کا علم بھی ہو جاتا ہے کہ مولانا نور ترک کے بارے میں منہاج سراج اور عصامی کی اطلاعات محض بہتان و الزام تراشی سے زیادہ کچھ نہیں۔ مولانا نور ترک نے چونکہ قاضی منہاج سراج جیسے درباری علماء کو ناصبی اور مرجی کہا تھا، اس لیے ان کے بارے میں حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کرنے کی داستان گھڑ لی گئی اور ایک درباری عالم و قاضی نے حکومت و عوام کی نظر میں ان کی شخصیت کو مجروح اور مشتبہ کرنے کی کوشش کی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا نور ترک کے بارے میں جو اطلاعات بہم پہنچائی ہیں، ان پر ایک نگاہ ڈالی جانی چاہیے۔

مرتب فوائد الفواد حسن سجزی دہلوی نے منہاج سراج کی طبقاتِ ناصری کے حوالے سے حضرت خواجہ سے دریافت کیا کہ بعض علماء مولانا نور ترک کے بارے میں کچھ باتیں کرتے ہیں۔ (ظاہر ہے حسن دہلوی کے ذہن میں طبقاتِ ناصری میں مولانا نور ترک کے خلاف بیان شدہ تمام واقعات ہوں گے) آپ نے فرمایا:

یہ باتیں درست نہیں ہیں۔ مولانا نور ترک آسمان سے برسنے والے پانی سے زیادہ پاکیزہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ حسن دہلوی نے پھر یاد دلایا کہ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ علمائے شریعت ان کو ناصبی کہتے تھے[۱] حضرت خواجہ نے جواب دیا کہ علمائے شہر کو مولانا نور ترک اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے کہ وہ ان کو دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا دیکھتے تھے۔ اس کے جواب میں علماء نے ان کی طرف یہ سب چیزیں منسوب کردیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولانا نور ترک کی بات میں بڑی تاثیر تھی، مگر انھوں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے اپنی قوتِ علم اور قوتِ مجاہدہ کی بنا پر کہتے تھے۔ ان کا ایک غلام تھا جو انھیں روزانہ ایک درہم دیتا تھا۔ اسی درہم پر ان کی گذر اوقات تھی۔ مولانا نور ترک ایک مرتبہ ہانسی گئے۔ وہاں وعظ کہا۔ شیخ الاسلام بابا فریدؒ نے فرمایا کہ میں کئی مرتبہ ان کا وعظ سن چکا ہوں۔ جب وہ ہانسی پہنچے اور وعظ شروع کیا تو میں اسی وقت ان کا وعظ سننے پہنچا۔ میرے کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے اس سے قبل میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جوں ہی میں مسجد میں داخل ہوا، ان کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ انھوں نے اپنا سلسلۂ کلام شروع کیا اور فرمایا: اے مسلمانو! بات کو پرکھنے والا آگیا۔ اس کے بعد میری اتنی تعریف کی کہ کسی بادشاہ کی بھی اتنی تعریف نہیں کی گئی ہوگی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے مولانا نور ترک کے بارے میں ایک حکایت مزید بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا: جب مولانا نور ترک مکۂ معظمہ چلے گئے تو وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اس سرزمین (ہندوستان) سے ایک شخص مکۂ معظمہ گیا اور ان کے لیے دو من چاول ہمراہ لے گیا۔ انھوں نے چاول قبول کرلیے اور اس شخص کو دعا دی۔ اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے دہلی میں سلطان رضیہ کی گراں قدر نذر لینے سے

---

[۱] پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ طبقاتِ ناصری کے مطابق مولانا نور ترک علماء کو ناصبی و مرجی کہتے تھے۔ حسن دہلوی کے بقول مولانا نور ترک کو علمائے وقت نے ناصبی اور مرجی کے ناموں سے پکارا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکار کر دیا تھا اور آج وہ تھوڑی ہی مقدار میں چاول قبول کرنے سے گریز نہیں کر رہے۔ مولانا نور ترک نے اس شخص سے کہا: صاحب! تم مکے میں بیٹھ کر دہلی کا خیال ذہن میں نہ لاؤ۔ اُن دنوں میں جوان تھا۔ وہ قوت اور تیزی اب کہاں۔ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور پھر اس جگہ اناج کمیاب بھی ہے[۱]۔

منہاج سراج، عصامی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے بیانات کا اگر عمیق نظر سے مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ معاصر درباری علماء نے مولانا نور ترک کی اپنے خلاف تنقید کو برداشت نہیں کیا۔ ان کے اعتراضات سے برافروختہ ہو کر ان کے خلاف اتہامات لگائے۔ ان کے حامیوں کو زدوکوب کرایا۔ اور غالباً نور ترک کو ترکِ وطن اور ہندوستان سے ہجرت پر مجبور کر دیا۔

مولانا نور ترک کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا وہ اس عجیب و غریب صورتِ حال کا ترجمان ہے کہ ”علمائے دربار و حکومت جو کچھ کرتے ہیں، بادشاہِ وقت کے نام سے۔ پس ان کی مخالفت گویا حکومتِ وقت سے بغاوت ہوتی ہے۔“

مولانا نور ترک کے واقعہ کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جس دور کے مقتول مشائخ و علماء کا ذکر ہم کرنے جا رہے ہیں، ان کے بارے میں تواریخ، ملفوظات اور دیگر ماخذ میں ضد و نقیض نوعیت کے بیانات بھی ملتے ہیں۔ ان بیانات میں مؤرخین و مصنفین کے اپنے سیاسی، سماجی اور مذہبی رجحانات و تعصبات کارفرما ہیں۔ اس لیے ان کا تجزیہ مشکل اور ان سے اخذِ نتائج میں نہایت احتیاط درکار ہے۔

قطب الدین ایبک (متوفی: ۶۰۲/۱۲۰۶) التمش اور اس کی جانشین سلطان رضیہ کے دور میں دہلی میں غالباً کسی شیخ، صوفی یا عالمِ دین کی مذہب، عقائد یا نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر جان نہیں لی گئی۔ علماء و مشائخ کے خلاف صدائے احتجاج ضرور بلند ہوئی۔

---

[۱] فوائد الفواد: ۳۷۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محضرنامے بیشک طلب کیے گئے۔ دربار میں اختلافی امور پر بحث و مباحثے یقیناً ہوئے اور اسی قسم کے دوسرے واقعات بھی رونما ہوئے، لیکن سرزمینِ دہلی کسی صوفی اور شیخ کے حق یا ناحق خون سے رنگی نہیں گئی۔ مذہب کے سلسلے میں ملوک سلاطین کا متوازن رویّہ اور معقول لائحہ عمل کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کے رونما ہونے میں مانع رہا۔ مولانا نور ترک کا واقعہ علمائے وقت کے درمیان اختلافِ نظر کا نتیجہ تھا جو سلطان رضیہ کے دورِ سلطنت میں پیش آیا۔

سلطان رضیہ کے بھائی اور ایلتمش کے لڑکے معزالدین بہرام شاہ کے عہد میں ایک عابد و زاہد شخص اور ایک عالمِ دین کے درمیان اختلافات کا پتہ چلتا ہے۔ ان اختلافات اور معزالدین بہرام شاہ کے انتہا پسندانہ رویّے کی وجہ سے ایک عالمِ دین کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔

بہرام شاہ ۶۳۷ / ۱۲۴۰ میں تخت نشین ہوا۔ بادشاہ کو دہلی کے ایک درویش ایّوب سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ ایّوب ایک عابد و زاہد شخص تھا۔ قصرِ حوضِ سلطانی پر اعتکاف میں بیٹھا رہتا تھا۔ جب سلطانِ وقت سے اس کے تعلقات بڑھے تو ایّوب نے محض عبادت و ریاضت کے میدانِ خارزار سے قدم باہر نکالا اور کارہائے ملکی میں مداخلت شروع کردی اس نے قاضی شمس الدین مہر کو ہاتھی کے پیروں تلے کچلوا دیا۔[۵]

طبقاتِ ناصری میں اس واقعہ کا مزید کوئی تفصیل نہیں ملتی، لیکن بہر حال یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ قاضی شمس الدین مہر نے بادشاہ اور حکومتِ وقت پر ایّوب کے بڑھتے ہوئے اثرات اور امورِ مملکت و مذہب میں اس کی دخل اندازی کو ناپسند کیا ہوگا۔ ایّوب نے قاضی مہر کے اس ردِّ عمل کو برداشت نہیں کیا ہوگا اور بادشاہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے قاضی صاحب کو موت کے گھاٹ اتروا دیا ہوگا اور اس طرح اپنے عزائم کی تکمیل

۵ یہ واقعہ طبقاتِ ناصری میں صفحہ ۱۹۵ پر بیان کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے راستہ ہموار کر لیا گیا ہوگا۔

مولانا ابو الکلام آزاد کے الفاظ میں "لیکن سبحان اللہ! مکافات و مجازات عمل کا قانونِ الٰہی کس طرح اس دنیا ہی میں اپنا کام انجام دے رہا ہے اور آخرت کی منزل ابھی باقی ہے" [ا۵]

قاضی صاحب کے قتل سے عوام میں سلطان اور ایوب دونوں کے خلاف جذبات مشتعل ہو گئے۔ امراء کی سازشوں نے بہرام کے خلاف ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ وہ زیادہ عرصے تخت پر نہ رہ سکا اور تقریباً دو برس حکومت کرنے کے بعد ۶۳۹/۱۲۴۲ میں قتل کر دیا گیا۔

یہ غالباً پہلا اور آخری قتل ہے جو ملوک بادشاہوں کے دورِ حکومت میں مذہب کے نام پر کیا گیا اور ایک عالمِ دین، ایک صوفی خام کے وسوسوں اور حکومت پر اثر و رسوخ کا شکار ہوئے۔

ملوک سلاطین کے بعد خلجیوں کا دورِ حکومت آیا۔ جلال الدین خلجی کے عہدِ سلطنت میں ایک دوسرے عابد و زاہد درویش سیّدی مولٰہ [۵۲] کا قتل ہوتا ہے اور اس کے بعد دہلی میں اس نوعیت کی قتل و غارتگری کا ڈرامہ مختلف ادوار میں کئی مرتبہ دہرایا گیا۔

---

۵۱ تذکرہ، ص ۸۳۔

۵۲ سیّدی مولٰہ اصلاً کہاں سے تعلق رکھتے تھے اس میں اختلافِ رائے نظر آتی ہے بعض ملک بالا سے عرب کا علاقہ مراد لیتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ملک بالا سے عرب کا علاقہ مراد لیا ہے اور مطہر کرہ کے درجِ ذیل اشعار سے استناد کیا ہے:

بہ ہندوستاں سفر بسیار کردم ہر سوئے لیکن ہوس دارم کہ یک چندی بہ بینم ملک بالا را

در آیم از حجاز اندر یمن، ز آنجا سوی مکّہ بہ بینم مرصفا و مروہ و عرفات و بطحا را

اس امر کی مزید تصدیق کے لیے پروفیسر نظامی نے خواجہ نظام الدین اولیاء کا یہ قول بھی (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیّدی مولہ ایک عابد و متقی بزرگ تھے۔ دہلی آتے ہوئے چند روز اجودھن میں حضرت بابا فرید کے مہمان رہے تھے۔ برنی کے بقول وہ ولایت ملک بالا سے ہندوستان آئے تھے۔ بلبن کے عہدِ سلطنت میں دہلی آئے اور مستقل سکونت پذیر ہو گئے۔ بلبن کے بعد کیقباد (متوفیٰ ۶۸۹/۱۲۹۱) کے زمانۂ حکومت میں سیّدی مولہ نے ایک خانقاہ قائم کی۔ اس خانقاہ میں بڑی تعداد میں درویش اور فقرا جمع رہتے۔ دو ہزار من میدہ، پانچ سو من گوشت اور اسی انداز سے شکر اور دوسری چیزیں لنگر میں روزانہ استعمال میں آتی تھیں۔ جس قسم کا کھانا سیّدی مولہ کی خانقاہ میں تقسیم کیا جاتا تھا ویسا امراء و ملوک کو بھی میسّر نہ تھا۔ سیّدی مولہ کی عادات و اطوار سے متعلق دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے تھے، لیکن نماز با جماعت کے پابند نہیں تھے۔ جمعے کی نماز میں بھی ان کی شرکت لازمی نہیں تھی۔ البتہ وہ عبادت و ریاضت اور مجاہدے میں غلو کیا کرتے تھے۔ ایک چادر اوڑھے خانقاہ میں بیٹھے رہتے۔ دوسروں کے لیے بہترین کھانا خانقاہ میں مہیّا رہتا، لیکن وہ خود نہایت معمولی قسم کی غذا پر اکتفا کرتے۔ کوئی کنیز یا مددگار بھی ان کے لیے متعین نہیں تھا۔ زندگی خود ان کے لیے نہایت سادہ اور بے تکلف

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نقل کیا ہے کہ: "رسم عرب آنست کہ چوں کسے را بہ بزرگی یاد کنند، سیّدی گویند" گلزارِ ابرار میں بھی سیّدی مولہ کو عرب نژاد بتایا گیا ہے۔ اس کے برخلاف فرشتہ نے لکھا ہے کہ سیّدی مولہ جرجان سے ہندوستان آئے۔ بہرحال سیّدی مولہ کی شخصیت اور ان کی علاقائی نسبت کو سمجھنے کے لیے یہ بیان بھی پیشِ نظر رہے:

در اولیشِ مولہ یا احمدیہ طائفہ ای از صوفیہ بودہ اند۔ در رسالۂ عرض سپاہ اوزون حسن ص ۸۲، این عبارت آمدہ: و از عقب ایشان درویشانِ احمدی کہ بہ مولہا مشہور اند باتوق دعلم احمدی دردف ونی، چنانچہ شیوۂ ایشان است، متوجہ گشتند۔ سفرنامۂ ابن بطوطہ، حاشیہ: ۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ مدد سروں کے لیے وہ زحمت اٹھاتے اور ان کی خاطر مدارات کرتے۔ جس کی مالی مدد کرنی ہوتی اس سے کہتے کہ فلاں فلاں طاق میں یا فلاں فلاں مقام پر اینٹ کے نیچے روپے موجود ہیں وہ نکال لو اور اپنی ضروریات پوری کرو۔ مدد کے طالب کو بتائی ہوئی جگہ سے ایسے چمکدار سکّے ملتے کہ جیسے ابھی ٹکسال سے آئے ہوں۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگ انھیں کیمیاگر یا جادوگر تصوّر کرتے[۱] بعض یہ گمان کرتے کہ جن یا دیو ان کے تابع ہیں[۲]۔ حقیقت کیا تھی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ ان کا خرچ بہت زیادہ تھا اور ذرائع آمدنی نامعلوم۔ وہ کسی سے فتوح بھی قبول نہیں کرتے۔ ان کی بزرگی اور زہد و تقویٰ کی شہرت بتدریج بڑھتی گئی۔

ابن بطوطہ کو سیّدی مولہ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ ابوعبد اللہ المرشدی کی بزرگی اور روحانیت میں بلند مراتب کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے وہ سیّدی مولہ کے بارے میں اطلاع دیتا ہے کہ:

من درمیانِ کسانی کہ ملاقات کردہ ام، جز سیّدی مولہ، کہ در ہندوستان اقامت داشت، کسے مانند شیخ (ابوعبداللہ المرشدی) ندیدہ ام[۳]

(منجملہ ان لوگوں میں جن سے میری ملاقات ہوئی ہے، میں نے سوائے سیّدی مولہ کے جو ہندوستان میں مقیم ہیں، کسی کو شیخ ابوعبداللہ المرشدی کی مانند نہیں پایا۔)

مختصر یہ کہ بے شمار امراء و اعیانِ مملکت بھی ان کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں شامل ہو گئے۔ سلطان جلال الدین خلجی کا بڑا لڑکا خانخاناں ان کا منہ بولا بیٹا تھا اور اکثر ان ہی کی خدمت میں حاضر رہتا۔ معتقدین کے اس جمگھٹے میں ظاہر ہے ہر قسم کے لوگ شامل ہو سکتے تھے۔ لہٰذا بعض سیاست باز اور اغراض کے بندے بھی ان کے عقیدت مندوں میں

۱ۃ فتوح السلاطین: ۲۱۶۔ ۲ۃ اخبار الاخیار: ۷۳

۳ۃ سفرنامۂ ابن بطوطہ (فارسی ترجمہ) ص ۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شامل ہو گئے۔ ان میں قاضی جلال الدین کاشانی، ہتھیا پایک اور برنجن تن بھی تھے۔ یہ لوگ سیدی مولہ کی خانقاہ میں رات گئے تک موجود رہتے۔ قاضی جلال الدین کاشانی معروف قاضی تھے مگر دل کے بُرے اور مفسد کار۔ ہتھیا پایک اور برنجن تن کو دہلی میں معتقد لوگ تھے، لیکن جلال الدین خلجی نے انھیں اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر معزول کر دیا تھا۔ اس طرح چند مفسد اور بادشاہ سے ذاتی پرخاش رکھنے والے بھی اس خانقاہ میں پناہ گزیں تھے۔ ان لوگوں نے بادشاہ کے خلاف سازش کی۔ طے یہ پایا کہ جب سلطان نماز جمعہ کے لیے قصر سلطانی سے باہر قدم رکھے تو ہتھیا پایک اور برنجن تن اسے قتل کر دیں اور سیدی مولہ کو تخت پر بٹھا دیں۔ سیدی مولہ کی خاندانی حیثیت بہتر و مضبوط بنانے کے لیے یہ پروگرام بنایا گیا کہ سلطان کی لڑکی سے ان کا نکاح کرا دیا جائے اور دہلی میں انھیں خلیفہ بھی مقرر کر دیا جائے۔[۵] اس سازش میں شامل کسی ایک شخص نے یہ خبر سلطانِ وقت کو پہنچا دی۔ سلطان نے سیدی مولہ اور اُن کے لواحقین کو گرفتار کرالیا اور دربار میں حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ یہ لوگ دربار میں لائے گئے۔ ان سے حالات دریافت کیے گئے۔ تفتیش کی گئی۔ سب نے اس صورتِ حال کی ذمّہ داری سے انکار کر دیا۔ سلطان جلال الدین کا شک و شبہ ختم نہیں ہوا۔ اس نے جنگل میں آگ جلوائی اور تجویز رکھی کہ: یہ لوگ آگ پر سے گذریں۔ اگر سچّے ہیں تو آگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور اگر جھوٹے ہیں تو سب جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

علماء و مشائخِ عصر نے اس طریقۂ سزا کو ناجائز قرار دیا اور یہ دلیل پیش کی کہ آگ بالطبع جلانے والی چیز ہے۔ یہ جھوٹے اور سچّے دونوں کو جلا سکتی ہے۔ اس لیے سلطان نے سزا کا یہ طریقہ ترک کر دیا۔ قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں جلا وطن کیا اور دیگر لوگ ملک کے

---

[۵] محمد غوثی نے گلزارِ ابرار میں یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ سیّدی مولہ کے دماغ میں سلطنت دہلی کی ہوا سما گئی اور ان کی طرف سے کچھ لوگ کام بنانے کے لیے نکل بھی کھڑے ہوئے۔ گلزار ابرار (اُردو ترجمہ) ص ۲۷۔

© rasailojaraid.com

دور دراز علاقوں میں بھیج دیے گئے۔

سیدی مولہ، جنھیں یہ گروہ اپنا سردار کہتا تھا، آفت سے نجات نہیں حاصل کر سکے۔ ان سے باز پرس کی گئی۔ تحقیقات ہوئی۔ کوشش کی گئی کہ وہ اقبالِ جرم کرلیں مگر وہ اپنی بے گناہی پر اصرار کرتے رہے۔ سیدی مولہ سے تحقیقات و باز پرس کے وقت شیخ ابوبکر طوسی حیدری[۹] نے چند حیدری درویشوں کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔ سلطان نے ان کی طرف رُخ کیا اور کہا:

اے درویشاں! انصاف من ازیں مولہ بستانید[۱۰]

(اے درویشو! سیدی مولہ سے میرا انصاف کرو)

سلطان کی زبان سے اس جملے کا نکلنا تھا کہ بحری نام کے ایک حیدری قلندر نے سیدی مولہ کو بوری سینے کے سُوئیں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ ادھر ارکلی خاں نے ہیل بانوں کو اشارہ کر دیا کہ وہ سیّدی مولہ کو ہاتھیوں کے پیروں تلے روندڈالیں۔

مختلف مآخذ میں اس واقعہ کی تفصیلات میں بھی اختلاف نظر آتا ہے۔ عصامی کا کہنا ہے کہ سلطان کی عدم موجودگی میں بعض خرقہ پوشان خادم نے، جو سیّدی مولہ سے حسد رکھتے تھے، سیّدی مولہ کو تہمت لگاکر گرفتار کرادیا۔ ارکلی خاں نے ان حاسدین کی درپردہ مدد کی اور سیّدی مولہ کو سلطان کی اجازت کے بغیر قتل کرادیا گیا[۱۱]

تاریخ مبارک شاہی میں برنی اور عصامی سے بھی تفصیلات میں اختلاف ملتا ہے۔ یحیٰی سرہندی کے بقول ملک الغو نے سیّدی مولہ کے خلاف الزام تراشی کی اور انھیں قید کرنے کا

۹؎ یہ دہلی کے ایک معروف بزرگ ہیں۔ پرگتی میدان (نمائش گاہ) نئی دہلی سے ملحق ایک ٹیلے پر ان کا مزار آج بھی مرجعِ خلایق ہے۔ دہلی میں یہ مٹکے شاہ کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کے مختصر حالات دیکھیے: اخبار الاخیار ص ۴۷۔ ۱۰؎ تاریخ فیروز شاہی: ۲۱۲۔

[illegible]

© rasailojaraid.com